رجائیت: ادب کا آفاقی رجحان

شگفتہ فردوس

Abstract:

"Optimism" is one of the different trends prevailing in literature. It is not only a value but also a strength and philosophy of life. It is known as universal literary trend, that encourages people to see positive and brighter aspects of life. This aptitude gives strength to its believers that "nothing is impossible". Optimism has its religious, philosophical and psychological background.

This research article gives over view of optimism in different poetic traditions. Optimistic philosophy influenced eastern and western literature and played a significant role in 20th century's literature which led them to freedom movements. Alongwith Urdu, other literatures including English, Arabic, Persian, and Punjabi have sound optimistic background. This paper also deals with the important optimistic poets participating in different literary movements all over the world.

اردو میں رجائیت کی اصطلاح، انگریزی اصطلاح Optimism کے متبادل استعمال کی جاتی ہے۔ رجائیت کا لفظ رجا سے بنا ہے جس کے لغوی معنی اُمید کے ہیں۔ ادبی اصطلاح کے طور پر اس کا مفہوم یہ ہے کہ نظم ونثر میں مایوسی کا منفی رویہ اختیار کرنے کے بجائے اُمید کا مثبت رویہ اختیار کیا جائے۔ زندگی کا روشن پہلو دکھانا، اچھے خیالات پیش کرنا، آرزو اور اُمید کا دامن تھامے رکھنا ہی رجائیت ہے۔ یوسف عزیز رجائیت کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''فطری طور پر خوش مزاج رہنے، زندگی کے بارے میں مثبت اور پُراُمید نقطۂ نظر رکھنے، اشیا اور واقعات کے روشن پہلوؤں کو اختیار کرنے، پیش آمدہ حالات و کیفیات سے مثبت مطابقت کے

میلان کا نام رجائیت ہے۔'' (۱)

ہر عہد شعوری و لاشعوری طور پر کچھ خاص رجحانات کا عکاس ہوتا ہے۔ یہ رجحانات کسی خطے کی سیاسی، سماجی، معاشی و معاشرتی اقدار و ضروریات سے تعلق رکھتے ہیں۔ شعر و ادب کے تخلیقی میدان میں جنم لینے والے یہ رجحانات کسی عہد کے عکاس بھی بن جاتے ہیں جیسا کہ بیسویں صدی کے انقلابی عہد میں رجائیت آفاقی رجحان کی صورت میں دنیائے ادب کے افق پر جلوہ گر ہوئی۔ اس نے اپنے عہد میں رونما ہونے والی سائنسی، نفسیاتی، معاشی اور معاشرتی تبدیلیوں سے انسانی مستقبل کے روشن مستقبل کی عکاسی کی۔

عربی الاصل لفظ رجائیت کا مادہ ''رجا'' ہے جو خوش اُمیدی اور اُمید پرستی کے خاص طبعی رجحان کو ظاہر کرتا ہے۔ عربی، اردو اور فارسی میں یہ لفظ آس، آسرا، آرزو، تمنا یا خواہش و جوش کے معنوں میں مستعمل ہے۔ مختلف لغات میں رجائیت کی تعریف یوں کی گئی ہے:

رَجَاهُ۔ رَجْوًا وَ رُجُرًّا وَرَجَاءَ وَرَجَاءَ ةً وَ رَجَاوَةً وَمَرْجَاةً۔ اُمید کرنا، اُمید رکھنا، درخواست کرنا

رَجَاء، اُمید، توقع (۲)

رَجائیت: رجاء اِی یَت: اُمید ہونے کی کیفیت، رَجَا، کنارہ، جانب (رجا) اُمید رَجائی: رَجَا اِی: منسوب بہ رجاء، پراُمید (۳)

رجائیت، رجائیت، رجائیت پسندی، اُمید پروری (n) Optimism، نیک انجامی، اُمید پرستی، خوش اُمیدی، کسی واقعے یا صورت حال کے خوش آئند پہلو پر زور دینے کا رجحان۔ (۴)

"Optimism: In philosophy is the theory that the world is the best possible or the life is worth living." (5)

"Optimism: (n).

1. The tendancy to take the most hopeful view in all matters.

2. Philosophy the doctrine of the ultimate triumph of good over evil. (6)

کشافِ تنقیدی اصطلاحات میں رجائیت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

''رجائیت'' (Optimism):

۱۔ جرمن فلسفی (لائبنز) کا نظریۂ استحسان کہ اچھی سے اچھی دنیا جو پیدا کی جا سکتی تھی وہ ہماری دنیا ہے۔

۲۔ رجائیت۔ یہ عقیدہ کہ دنیا میں نیکی بدی پر غالب آئے گی۔

۳۔ رجائیت، اُمید پروری، اُمید پرستی، خوش اُمیدی، طبیعت کا یہ رجحان کہ ہر معاملے کا انجام اچھا ہوگا۔

جہاں تک شعر و ادب کا تعلق ہے، اشیا و واقعات کا روشن پہلو دیکھنا اور مستقبل کے بارے میں پُر اُمید نقطۂ نظر رکھنا رجائیت کہلاتا ہے اور ایسے شخص کو جس کے افکار میں رجائیت ہو رجائی کہاجاتا ہے۔'' (۷)

رجائیت ایک مربوط فکری و عملی نظام اور آفاقی اصطلاح ہے۔ نفس انسانی کی تربیت میں اُمید کا پہلو ایک فعال قوت کا کام سرانجام دیتا ہے۔ عظیم المرتبت شخصیات کا امتیازی وصف ان کا حیات بخش پیغام ہوتا ہے۔ وہ افرادِ معاشرہ میں عمل کا تخم بو کر اس کے بارور ہونے کی اُمید رکھتے ہیں۔ اسی طرح شعرا و ادبا زندگی کے ہجوم میں شامل ہونے کے باوجود اس میں ضم ہو کر نہیں رہ جاتے، بل کہ اپنی انفرادیت کی بنا پر افرادِ معاشرہ کو بہتر مستقبل کی بشارت دیتے ہیں۔

رجائیت وقنوطیت:

بیم و رجا ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن مشرقی شعر و ادب میں بیم و رجا کو ایک ساتھ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ بعض نقاد اسے زندگی کے دو رُخ قرار دیتے ہیں جب کہ بعض کے نزدیک یہ دن اور رات کی مانند لازم وملزوم ہیں۔ جس کسی معاشرے میں یاسیت وغم انگیزی بڑھنے لگے تو شعر و ادب میں رجائیت کا رجحان معاشرے کو فلاح کی جانب لے جانے کے لیے فروغ پانے لگتا ہے۔ آل احمد سرور اس حوالے سے فرماتے ہیں:

''رجائیت وقنوطیت زندگی کو دیکھنے کے دو زاویے ہیں۔ دونوں یک رخے ہیں۔ دونوں انسان کے دل کے تاروں کو چھوتے ہیں۔ رجائیت زندگی پر ایمان، کسی مسلک کی وفاداری، تاریکیوں میں روشنی، بادلوں میں چاندنی کی لکیر دیکھنے کا نام ہے۔ قنوطیت زندگی کے جبر، تاریکی کے بوجھ اور بدی کی نیکی پر اکثر فتح کے احساس سے پیدا ہوتی ہے۔'' (۸)

یوسف عزیز رجائیت وقنوطیت، دونوں فلسفہ ہائے حیات کے اثرات ومضمرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم رجائیت وقنوطیت کا باہم موازنہ کریں تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ ایک نظریہ زندگی کی فعالی قوتوں کا موید ومبلغ ہے اور دوسرا انفعالی شکستوں کو سینے سے چمٹائے رکھنا چاہتا ہے۔ اگر ایک تہور و تدبر کا حامل ہے تو دوسرا عجز وضعف کا رسیا۔ اگر ایک زندگی کو فاعلانہ صلاحیتوں، حرکت و اختیار، فکر وعمل کی تلقین کرتا ہے تو دوسرا یاس و نا اُمیدی، شکست و ریخت، افسردگی اور غمنا کی، بے یقینی و بداعتمادی کو اپناتا ہے۔'' (۹)

احتشام حسین رجائیت وقنوطیت کا تجزیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''رجائیت قنوطیت کا عکس ہے۔ رجائیت اثباتی جذبہ ہے اور قنوطیت منفی۔ اس لیے رجائیت لازمی طور پر قوت اور اُمید کا فلسفہ بن جاتی ہے۔'' (۱۰)

رجائیت وقنوطیت کا تعلق کسی بھی فرد کے ماحول، تربیت، عمر اور حالات و واقعات سے مشروط ہوتا ہے۔ جو شخص جتنا زیادہ خود اعتماد اور مضبوط ہوگا اُسی قدر اُس کی سوچ مثبت اور رجائیت کی حامل ہوگی۔ اگر رجائیت بھیس بدل کر فرار

اور زندگی کے جھمیلوں سے بچ نکلنے کی طرف مائل کرے تو یہ خود فریبی ہے جو قنوطیت سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ رجائیت خوش باشی اور لذت پرستی کے بجائے علم کی مدد سے زندگی کی قوتوں کا ادراک حاصل کرنے کا نام ہے۔ رجائیت کو بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ مجہول رجائیت: عمل کرنے کے بجائے حالات کی کسی کروٹ کا انتظار کرنا اور جھوٹی اُمیدیں وابستہ کرنا۔

۲۔ فعال رجائیت: یہ بہتر مستقبل کے لیے عمل پیہم کو بنیاد بناتی ہے اور ضمنی ناکامیوں کے باوجود کامیابی پر یقین رکھتی ہے۔ اعلیٰ ادب کا آدرش معاشرتی انتشار اور روز افزوں انسانیت کے استحصال کا شکار ہونے کے بجائے غم و اندوہ کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو عمل و اُمید کی نئی راہیں دکھا کر ان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو جلا بخشنا ہونا چاہیے۔ کسی بھی فرد یا معاشرے میں رجائیت بنیادی طور پر تین چیزوں سے پیدا ہوتی ہے:

۱) مذہب ۲) فلسفہ ۳) نفسیات

رجائیت کی مذہبی اساس:

مذہب انسان کو اعلیٰ مقاصد و عزائم کے حصول میں سب سے زیاد تقویت عطا کرتا ہے۔ ایمان و ایقان کی طاقت انسان میں وہ صلاحیت بیدار کرتی ہے جس سے ناممکنات کا حصول ممکن ہو لیکن مختلف ادیانِ عالم میں رجائیت پر بہت کم زور دیا گیا۔ مثلاً اہل یونان نے سچی مسرت کو ناپید قرار دیا۔ ہندومت نے ہر چیز کو فریب نظر کہا۔ بدھ مت ترکِ آرزو کے قائل رہے۔ عیسائیت میں تغیر و تبدل کی تمام منازل کو حضرت عیسیٰؑ سے مشروط قرار دے کر انسانیت کی روحانی ترقی کے در مقفل کر دیے گئے۔ لیکن اسلام نے عظمت انسانی کا اعتراف کرتے ہوئے اُسے اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کیا۔ عمل و اُمید کا درس دے کر انسان کو مظاہر و شخصیت پرستی سے نجات دلائی بلکہ کشمکشِ حیات میں عمل کو لازم اور مایوسی کو کفر قرار دیا:

> قَالَ وَمَنۡ يَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ ۝ (سورۃ الحجر آیت نمبر ۵۶)
>
> (ابراہیم علیہ السّلام نے) کہا کہ اپنے پروردگار کی رحمت سے سوائے گمراہوں کے اور کون نا اُمید ہوتا ہے۔
>
> قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ ط (سورۃ الزمر آیت ۵۳)
>
> (اے نبیؐ میری طرف سے) کہہ دے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں، اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو۔

اُمید خدا اور بندے کے تعلق کو مضبوط کر کے اس کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی خدا کی ذات سے اُمید رکھنے والے کو بخشش کی خوش خبری سنائی گئی ہے:

> ''حضرت ابو درداؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھ سے جبرائیل نے کہا کہ آپؐ کے رب نے کہا کہ اگر میرا مخلص بندہ میری عبادت کرے اور مجھ سے مغفرت کی اُمید رکھے اور کسی

کو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرائے تو میں اسے بخش دوں گا۔'' (۱۱)

رجائیت کی فلسفیانہ اساس:

فلسفے میں رجائیت کی اصطلاح سب سے پہلے ۱۷۵۹ء میں جرمن فلسفی لائبنز (Leibniz) کے توسط سے استعمال ہوئی۔ وہ رجائیت کے حوالے سے کہتا ہے:

"This is the best of all possible worlds, because its creation involved the fullest possible realization of the divine attributes." (12)

ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری لائبنز کے دیے ہوئے نظریۂ رجائیت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''رجائیت کی اصطلاح بنیادی طور پر فلسفے کی اصطلاح ہے۔ جرمن فلسفی لائبنز کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اچھی سے اچھی دنیا جو پیدا کی جا سکتی تھی وہ ہماری دنیا ہے۔ یہ نظریہ دنیا کے بارے میں مایوس ہونے سے محفوظ رکھتا ہے اور اس خیال کو فروغ دینے کا باعث بنتا ہے کہ اگر دنیا کی موجودہ حالت خراب بھی ہے اور شر خیر پر حاوی بھی ہے تو کوئی بات نہیں۔ ایک نہ ایک دن خیر کو شر پر غلبہ حاصل ہو کر رہے گا اور خرابیاں دور ہو جائیں گی۔'' (۱۳)

مغربی فلسفیوں، نطشے اور جان ڈیوی نے بھی قنوطیت کو مرض قرار دیا۔ جان ڈیوی ایسے رجائیت پسندانہ نظریات کو جو عمل سے بیگانہ کر دیں، ناپسند کرتا ہے۔ سنکانے کے نزدیک فلسفے کا اصل مقصد ہی انسان کو خوف و حزن سے پاک کر کے بہتر مستقبل کی اُمید دلانا ہے:

''وہ (فلسفہ) نفس کی تشکیل و تربیت کرے، عمل میں رہبری کرے، خیر و شر کا امتیاز سکھائے، زندگی کے حوادث و مصائب میں تسکین کا باعث ہو اور یہ بتائے کہ مصائب کے اندر انسان کو کیا زاویۂ نگاہ اور طریقِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ فلسفے کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو خوف و حزن سے پاک کر دے۔'' (۱۴)

رجائیت کی نفسیاتی اساس:

شخصیت وہ بنیادی چٹان ہے جس پر انسانی کردار کا انحصار ہوتا ہے اور جس کے آب و گل سے اس کردار کو ایک مخصوص صورت اور وضع حاصل ہوتی ہے۔ اسی کی وجہ سے ہر فرد دوسرے سے ممیّز ہوتا ہے۔ انسانی نفسیات پر افراد کی افتادِ طبع، معاشرت اور مذہب کے گہرے اثرات ہوتے ہیں۔ مختلف مغربی ماہرین نفسیات نے رجائیت کے حوالے سے اپنی آرا کا اظہار کیا۔ کر (Carr) اُسے زندگی کا مثبت رویہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے:

"Optimism is an outlook on life such that one maintains a view of the world as a positive place, or one's personal situation as a positive one." (15)

رجائیت عقلیت پر مبنی ایسا اعتقاد ہے جو مثبت نتائج پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کا تعلق فرد کی ذاتی تاثیر اور کامیابی کے امکانات پر ہے۔

ایڈورڈ سی چینگ (Edward C. Chang) اپنی کتاب "Optimism & Pessimism" میں رجائیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے:

> "Optimism reflects an expectation that good things will happen, whereas pessimism reflects an expectation that bad things will happen." (16)

چینگ رجائیت کو زندگی کی مثبت اقدار کا علمبردار قرار دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ رجحان افراد میں تب پیدا ہوتا ہے جب وہ آنے والے مصائب کو عارضی، خارجی اور جلد ختم ہو جانے والا تصور کرتے ہیں:

> "People are optimistic when they attribute problems in their lives to temporary, specific and external." (17)

ماہرین نفسیات کے نزدیک رجائیت تین طرح کی ہے جو رجائی میلان یا افتادِ طبع، رجائی توجیہی انداز اور تاثیر و متاثر کرنے کی صلاحیت کہلاتی ہے۔

شعر و ادب میں یہ تمام عوامل مذہبی، نفسیاتی اور فلسفیانہ صورت میں جلوہ گر ہو کر ادب کو ایک نیا رنگ و آہنگ عطا کرتے ہیں۔ اگر شاعری مثبت سوچ اور رجائیت کی حامل ہو تو اس سے تعمیر انسانیت کا کام لیا جا سکتا ہے جیسا کہ پروفیسر محمد منور شعرا کے دو گروہوں کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''گویا ایک شاعری تو مثبت ہے، اور ایک منفی۔ ایک آدم گر ہے اور ایک آدم کُش۔ ایک غیرت آموز ہے، ایک حمیت سوز، ایک زندگی میں حسن پیدا کرتی ہے اور ایک زندگی کو فرسودہ اور بھیانک دکھاتی ہے۔ ایک نغمۂ بہار و نصرت ہے اور ایک صدائے خزاں اور نوائے ہزیمت۔''
> (۱۸)

عالمی ادب میں رجائیت: رجائیت ایک آفاقی ادبی رجحان کی حیثیت رکھتی ہے۔ مختلف علاقوں اور زبانوں کے شعرا اپنے اپنے عہد میں اپنے ملک و قوم کو رجائیت کا پیغام دیتے رہے۔ شاعری اپنے باطن میں زبردست انقلابی صلاحیتیں بھی رکھتی ہے۔ اس لیے اقوامِ عالم کی تاریخ میں جہاں کہیں کوئی بڑا انقلاب رونما ہوا اس میں شعر و ادب کا بھی بہت دخل رہا۔ وکٹورین عہد کے انگریزی ادب کا جائزہ لیا جائے تو اس میں سیاسی و صنعتی انقلابات، اخلاقی روایات میں تبدیلیوں اور مذہبی تشکک میں اضافے کی وجہ سے قنوطیت کا غلبہ نظر آتا ہے لیکن اس دور میں بھی جان رسکن (John Ruskin) اور رابرٹ براؤننگ (Robert Browning) کے ہاں رجائیت کے نغمے ملتے ہیں:

رابرٹ براؤننگ (Robert Browning):

براؤننگ مذہبی و اخلاقی معلم تھا۔ اس کا رجائی فلسفۂ حیات اس کی پوری شاعری میں دوڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ وہ محبت میں ناکامی کو عارضی سمجھ کر آنے والے دنوں میں کامیابی کی اُمید رکھتا ہے۔ نظم "Last ride together" میں عاشق اپنی ناکامی کے باوجود دل کو اُمید دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ اسے یہاں نہیں تو دوسری دنیا میں ضرور کامیابی ملے گی:

What if we still ride on, we two
With life for ever old yet new,
Changed not in kind but in degree
The instand made Eternity
And Heaven just prove that I and she
Ride, ride, together for ever ride, (19)

ایملی برانٹے (Emlly Bronte):

ایملی برانٹے اپنی نظم "No Cowerd Soul is Mine" میں خدا کی ذات پر کامل یقین رکھتے ہوئے ہر مشکل سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ اور کامیابی کی اُمید رکھتا ہے۔ اس نظم کا ترجمہ سید شاکر علی جعفری نے کیا ہے۔ بعنوان ''نہیں بزدل بخدا، روح مری'':

نہیں بزدل، بخدا! روح مری
کہ جو طوفانِ حوادث سے لرز کر ڈر جائے
میرا ایماں وہ خدائے ازلی
نورِ ایماں سے ٹھہر سکتے نہیں خوف کے سائے (۲۰)

انگریزی کے ساتھ ساتھ مشرقی زبانوں میں بھی رجائیت کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ اوّلاً ہم عربی شاعری کو دیکھتے ہیں:

دیب عماد (فلسطینی شاعر):

دیب عماد نے اپنی سرزمین وطن فلسطین میں جاری جدوجہد کو اپنی شاعری کا مرکز ومحور بنا کر کامیابی کی اُمید کو بیان کیا۔ وہ کہتا ہے کہ اگرچہ ہر طرف تاریکی کا غلبہ ہے اور پاؤں خار آلود ہیں لیکن غزہ وخلیل میں یہود کے قہر سے مرجھائے ہوئے گلاب پھر سے مہکیں گے۔ آنے والے دن بہار کے پیامبر ہوں گے۔ اس نظم کا ترجمہ شان الحق حقی نے ''نوید سحر'' کے عنوان سے کیا ہے:

سحر ضرور آئے گی سیاہ رات جائے گی
اٹھو! کہ پردہ چاک ہو حسابِ ظلم پاک ہو (۲۱)

ارکن واحدوف (اُزبک شاعر):

ارکن واحدوف نوجوان نسل کو قوم کا معمار سمجھتا ہے۔ اس لیے آنے والے دنوں میں انھیں روشن مستقبل کا مژدہ سنا رہا ہے۔ اس نظم کا ترجمہ قمر رئیس نے ''نوید'' کے عنوان سے کیا ہے:

سخت ایام آخر گزر جائیں گے — زخم انساں کے سارے بھر جائیں گے
یہ زمیں پھر سجے گی دلھن کی طرح — صلح و امن کی ، نور کی گود میں
مثلِ لالہ کھلیں گے یہ ارض و سما — جنگ و پیکار کافور ہو جائیں گے
یہ زمیں ہوگی گہوارۂ آشتی — لوگ لیکن نہ بھولیں گے یہ کاہشیں (۲۲)

ناظم حکمت (ترک شاعر):

ناظم ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کر کے اپنی قوم کو آزادی کے نغمے سنا کر انھیں اپنے باطن کے دیے روشن کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ مسعود اختر شیخ نے ان کی ایک نظم ''آؤ یہ سیسہ پگھلائیں'' کا اردو ترجمہ کیا ہے:

گر میں نہ جلوں ،گر تو نہ جلے ، گر ہم نہ جلیں
تو کیسے بدلیں اندھیرے اجیالوں میں (۲۳)

عربی کی طرح فارسی شاعری بھی رجائی عناصر سے بھری پڑی ہے۔ چند مثالیں بطور خاص پیش کی جا سکتی ہیں:

عمر خیّام:

عمر خیام کا نام فارسی شاعری میں بہت معتبر ہے۔ وہ زندگی کے خلفشار میں ''غمِ ماضی'' اور فکر مستقبل سے قطعی طور پر بے نیاز ہو کر ''عشرتِ امروز'' کے قائل رہے۔ ان کی رباعیات میں رجائیت کا رنگ ملتا ہے۔

با بادہ نشیں کہ ملک محمود ایں است! — وز چنگ شنو کہ لحن داؤد ایں است
از آمد و رفتہ دگر یاد مکن! — حالے خوش باش زانکہ مقصود ایں است (۲۴)

سنائی غزنوی:

ایرانی صوفیانہ شاعری میں سنائی رجائی افکار کی آبیاری کرتے رہے۔ اپنی نظم بعنوان ''خوش دلی'' میں کہتے ہیں:

نباید خورد چندیں غم بباید زیستن خرم — کہ ازما اندرین عالم نخواہد ماند جز نامی
مترس از کار نابودہ مخور اندوہِ بیہودہ — دل از غم دار آسودہ بکامِ خود بزن گامی (۲۵)

شیخ سعدی شیرازی:

شیخ سعدی اخلاقی اقدار کو ترویج دے کر بے عملی اور کاہلی سے گریز کا راستہ دکھاتے ہیں۔ ان کی شاعری اُمید کا پیغام دیتی ہے:

تو کز محنت دیگران بی غمی — نہ شاید کہ نامت نہند آدمی (۲۶)

خواجہ حافظ شیرازی:

حافظ شیرازی کا کلام بھی اُمید و رجا کا پیامبر ہے:

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند چناں نماند و چنیں نیزھم نخواہد ماند
سروش عالم غیبم بشارتی خوش داد کہ بردر کرمش وژم نخواہد ماند
یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعان غم مخور کلبۂ احزاں شود روزی گلستاں غم مخور (۲۷)

فغانی:

فغانی کی شاعری عشق وخودی کا امتزاج ہے۔ وہ حصولِ منزل کے لیے عمل اور رجائیت سے کامیابی کی اُمید وابستہ کرتے ہیں:

غریقِ بحرِ اُمیدم کہ در سفینۂ نوح بیک لطیفہ بلائی ہزار سالہ گذشت (۲۸)

امیر خسرو:

باکمال متنوع حیثیتوں کے حامل امیر خسرو کی شاعری کیف و سرور، سادگی اور رجائیت کا مرقع ہے۔ ان کے ہاں غم کے بیان کے فوراً بعد طمانیت و مسرت کا بیان ملتا ہے:

ہستم برین اُمید خوش امروز کان شفیع فردا بہ بندہ مژدہ عفو خدا دہد
شبِ ہجراں دراز است ارچہ خسؔرو مشو غمگیں کہ اُمیدِ سحر ہست (۲۹)

پنجابی شاعری بھی رجائیت کی عمدہ مثالوں سے مزین ہے۔

سلطان باہو:

پنجابی صوفیانہ شاعری میں سلطان باہو اپنی کافیوں کے حوالے سے منفرد مقام رکھتے ہیں۔ وہ محبوب سے ملن کی آس کو فطری حسن پر ترجیح دیتے ہیں:

چ چڑھ چناں توں کر رُشنائی تارے ذکر کریندے تیرا ہُو
تیرے جیہے چن کئی سے چڑھدے سانوں سجناں باجھ ہنیرا ہو
جتھے چن اساڈا چڑھدا اوتھے قدر نہیں کجھ تیرا ہُو
جس دے کارن اساں جنم گوایا باہو یار میلیں اکوارا ہو (۳۰)

بلھے شاہ:

بلھے شاہ پنجابی شاعری میں قدآور شخصیت کے حامل ہیں۔ عارفانہ شاعری میں ان کی انفرادیت جھلکتی ہے۔ ان کی کافیوں میں رجائیت کا رنگ ملتا ہے:

ماہی وے تیں ملیاں سب دکھ ہوون دور
لوکاں دے بھانے چاک چکٹیا ، ساڈا رب غفور

جس دے ملن دی خاطر چشماں بہند یاں سی نت جھور
اُٹھ گئی ہجر جدائی جگروں ، ظاہر دسدا نور
بُلّھا رمز سمجھ دی پائی آ ، نہ نیڑے نہ دور
ماہی وے تیں ملیاں سب دکھ ہوون دور (۳۱)

اردو کی شعری روایت عربی و فارسی سے اخذ و استفادہ کرتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے ماحول پر عجمی فلسفۂ تصوف کے گہرے اثرات مرتب ہوئے جس نے انسان کو اس کائنات میں عارضی اور فنا پذیر قرار دے کر انسانی عمل کی راہیں مسدود کر دیں۔ سلطنتوں کے انقلابات، گونا گوں مصائب و آلام اور حوادثِ زمانہ نے برصغیر کی شعری فضا کو قنوطیت کے رنگ میں رنگا لیکن ابتدا ہی سے ہمیں رجائی طرزِ فکر کے حامل شعرا بھی مل جاتے ہیں۔ کچھ شعرا نے اپنے گیتوں، مولود شریف، تصوف اور عشقیہ موضوعات کے اظہار میں اُمید و رجا کا اظہار کیا جن میں بہاؤ الدین باجن، قلی قطب شاہ، وجہی، آبرو اور شیخ ظہور الدین حاتم شامل ہیں۔ اس عہد میں ولی دکنی کے ہاں سب سے زیادہ کیف و نشاط اور رجا کا عنصر غالب ہے:

رنج اچھے تو غم نہ کر بعد خزاں بہار ہے
غم کے اندھارے سوں نہ ڈر ، رات پچھو نہار ہے (۳۲)

میر و سودا کے عہد میں بھی کبھی معرفتِ الٰہی اور کبھی عشق و محبت کے بیان میں اُمید کا اظہار کیا گیا ہے:

ہیں مُشتِ خاک لیکن جو کچھ ہیں میر ہم ہیں مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا (۳۳)

دبستانِ لکھنؤ کے نمایندہ شاعر ناسخ کے ہاں بھی معراج ناموں، مذہبی تہواروں اور جذبۂ عشق کے بیان میں اُمید کا رنگ ملتا ہے جب کہ آتش یاس و قنوط کی روش سے ہٹ کر مکمل رجائی شاعر کے طور پر اپنی انفرادیت ظاہر کرتے ہیں۔ غالب، ذوق اور مومن کی شاعری میں بھی رجائیت کی مثالیں ملتی ہیں:

ہوائے دورِ مئے خوشگوار راہ میں ہے خزاں چمن سے ہے جاتی بہار راہ میں ہے (۳۴)

حالی اور آزاد نے انجمنِ پنجاب کے تحت موضوعاتی مشاعروں میں ''اُمید'' کے موضوع پر نظمیں لکھیں۔ اسی عہد میں علی گڑھ تحریک سے وابستہ شعرا، مثلاً شبلی اور نذیر احمد نے بھی رجائی انداز اختیار کیا ہے۔ علاوہ ازیں داغ، اکبر اور اسماعیل میرٹھی کی شاعری میں بھی رجائیت کو موضوع بنایا گیا:

اے مری اُمید مری جاں نواز اے مری دلسوز مری کارساز
میری سپر اور مرے دل کی پناہ درد و مصیبت میں ، میری تکیہ گاہ (۳۵)

اقبال کو ان کی رجائیت کی بنا پر شاعرِ فردا بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے ہاں زندگی کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ انھوں نے یاس و قنوط کو اقوام کی زندگی میں زہر قرار دیا جو فکر و عمل کو مفلوج کر دیتا ہے۔ ان کا پیغام انفرادی و اجتماعی صلاحیتوں کو جِلا بخشنے کا کام دیتا ہے۔ بلاشبہ اسی لیے انھیں ''پیامِ برِ اُمید'' کہا جاتا ہے:

نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ملت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ (۳۶)

اقبال کے ہم عصر شعرا نے وطنیت کے حوالے سے سرزمین ہند کی عظمت کے نغمے الاپے۔ظفر علی خاں، محمد علی جوہر، حسرت موہانی، سیماب اکبرآبادی اور چکبست نے اپنی اپنی شعری تخلیقات میں آزادیِ ہند کی اُمید کو نمایاں کیا۔ جب کہ اسی دور میں ابھرنے والی رومانوی تحریک میں شعرا نے حال سے بے زار ہو کر قرونِ وسطیٰ کی جانب مراجعت کو اپنا موضوع شعر بنایا۔ ان شعرا کے نزدیک ہم اپنے اسلاف کی پیروی کر کے ایک بار پھر عروج حاصل کر سکتے ہیں۔ رجائیت کا پیغام سنانے والے ان شعرا میں جوش، حفیظ اور اختر نمایاں ہیں:

اے کہ نجاتِ ہند کی دل سے ہے تجھ کو آرزو ہمتِ سر بلند سے یاس کا انسداد کر (۳۶)

اب کھلا ہی چاہتا ہے پرچمِ بادِ مراد آج ہستی کا سفینہ وقفِ طوفاں ہے تو کیا (۳۸)

اصغر گونڈوی اور فراق کے ہاں بھی رجائیت کا رنگ ملتا ہے جب کہ جگر مرادآبادی نے رجائیت کو خاص طور پر اپنے اشعار میں تصوف اور عشق کے حوالے سے برتا:

مجھ کو رنگِ خزاں سمجھ کے نہ دیکھ مژدۂ آمدِ بہار ہوں میں (۳۹)

ترقی پسند شعرا نے ادب کو مقصدیت آشنا کر کے عوام کو سرمایہ دارانہ نظام کے جبر و استبداد کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرات عطا کی اور روشن مستقبل کا خواب دکھایا۔ ان شعرا نے عظمتِ انسانی اور انقلاب کو اپنا موضوع بنایا۔ اس حوالے سے ان کے ہاں رجائیت ملتی ہے۔ ترقی پسند شعرا نے سحر، چراغ، صبحِ نو اور صبا جیسے استعارات کو بکثرت استعمال کیا۔فیض، احسان دانش، اختر الایمان، احمد ندیم قاسمی، ظہیر کاشمیری اور احمد فراز کے ہاں خصوصاً رجائیت ملتی ہے:

صبا نے پھر درِ زنداں پہ آ کے دی دستک سحر قریب ہے دل سے کہو نہ گھبرائے (۴۰)

ظلمت مرا ماحول ، تجلّی مری منزل میں شب کا مسافر ہوں مگر شمعِ سحر ہوں (۴۱)

حلقۂ اربابِ ذوق کے شعرا نے بھی اپنی انفرادی فکر سے رجائی موضوعات کو اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا۔ ان شعرا کے ہاں ابھرنے والی رجائیت نے تمثال و علائم کی صورت میں اپنی انفرادیت قائم کی۔ راشد، آل احمد سرور، میرا جی، مجید امجد، منیر نیازی، ضیا جالندھری، ناصر کاظمی، شہزاد احمد، شکیب جلالی اور افتخار عارف کے ہاں رجائیت ملتی ہے جب کہ ''نئی شاعری'' کے علمبردار شعرا میں جیلانی کامران، سلیم احمد اور ظفر اقبال کے ہاں یہ رنگ زیادہ نمایاں ہے:

ہر جگہ پھر سینۂ نخچیر میں
اک نیا ارماں، نئی اُمید پیدا ہو چلی (۴۲)

ایک چراغ اور ایک کتاب اور ایک اُمید اثاثہ اس کے بعد تو جو کچھ ہے وہ سب افسانہ ہے (۴۳)

باغِ جہاں میں نشوونمائے اُمید ہے وہ ایک برگ تھا جسے ہم نے شجر کیا (۴۴)

قیامِ پاکستان کے بعد اسلامی ادب، پاکستانی ادب اور ارضی ثقافتی تحریک میں بھی اسلام کی اعلیٰ اقدار و روایات کو موضوع بنا کر اُمید کا اظہار کیا گیا۔ پاکستانی ادب اور ارضی ثقافتی تحریک میں زمین کے حوالوں اور پاکستانیت کو زیادہ اہمیت دیتے ہوئے ارضِ پاک کی عظمت اور روشن مستقبل کو بیان کیا گیا۔ اسلامی ادب کی تحریک میں ماہرالقادری،

محشر رسول نگری، نعیم صدیقی اور حفیظ تائب وغیرہ نے رجائیت کو اسلام اور اکابرینِ اسلام کے کرداروں کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کے روشن مستقبل کا مژدہ سنایا۔ جب کہ ارضی ثقافتی تحریک کے علمبرداروں میں وزیر آغا اور سجاد باقر رضوی وغیرہ کے ہاں رجائیت ملتی ہے:

درود اُس پر کہ جو ماہر کی اُمیدوں کا ملجا ہے
درود اس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے (۴۵)

میں نہیں ہارا تو میرے حوصلے کی داد دے اک نیا عزم سفر اس خستہ سامانی میں ہے (۴۶)

تانیثی شعور رکھنے والی شاعرات کے ہاں بھی رجائیت عورت کے فطری حسن ''ماممتا'' کے حوالے سے ابھرتی ہے۔ ادا جعفری، زہرا نگاہ، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض اور پروین شاکر کے ہاں نسل نو کو اُمید کی علامت بنا کر پیش کیا گیا ہے:

وہ سامنے ہی تو ہے منزلِ اُمید مگر بھٹک رہے ہیں اندھیروں میں آج اہلِ نظر (۴۷)
دل میں نویدِ صبح کی لَو جو ذرا بلند ہو کافی ہے ایک ہی دیا شب کی سیاہ کے لیے (۴۸)

جمیل الدین عالی، امجد اسلام امجد اور مصطفیٰ زیدی کی شاعری میں بھی رجائیت ملتی ہے۔ ان شعرا نے اپنے انفرادی فکری و فنی انداز میں اُمید کو موضوع بنا کر اپنے وطن کی سلامتی کے نغمے لکھے تو کہیں عصری شعور کے ذریعے رجائیت کو بیان کیا:

خدا کے فضل سے اہلِ وطن کی ہمت سے زیاں کو سود، خزاں کو بہار کر لیں گے (۴۹)

رجائیت بلاشبہ اردو ادب کی فکری اور شعری روایت کا ایک حصہ رہی ہے۔ اگرچہ برصغیر کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات نے یاس و قنوطیت کو زیادہ نمایاں کیا جس کے اثرات اردو ادب پر بہت گہرے ہیں لیکن قوت و یقین کی راہ پر چلنے والے شعرا نے زندگی کا واضح نصب العین دینے کے لیے رجائیت کے فلسفے کی پیروی کی کیونکہ اسی سے نئی دنیائیں تسخیر کی جاسکتی ہیں۔ اس حوالے سے ہیلن کیلر کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ:

> "Optimism is faith that leads to achievement. Nothing can be done without hope or confidence ... No pessimist ever discovered the secrets of the star, or saild to uncharterd land or opened a new doorway for human spirit. (50)

حوالہ جات وحواشی:

(۱) یوسف عزیز۔ **شعاعِ اقبال**۔ فیصل آباد: مجید بکڈپو، ۱۹۷۷ء۔ ص۱۱۹
(۲) ڈاکٹر سید علی رضا نقوی۔ **فرہنگ جامع فارسی به انگلیسی و اردو**۔ اسلام آباد: ایرانی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، چاپ دوّم، ۱۳۸۲ش م
(۳) محمد عبداللہ خان خویشگی۔ **فرہنگِ عامرہ**۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء۔ ص۲۸۶

(۴) **قومی انگریزی اردو لغت**۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۶ء۔ ص ۱۳

(5) ***Encyclopedia Britanica***. Volum-16, Chicago: William Bention Publishers, 1963. P 832.

(6) ***Collins Essential English Dictionary***. Glasgow: Harpercollins Publishers, third edition, 2008. P 549.

(۷) ابوالاعجاز حفیظ صدیقی۔ مرتب؛ **کشافِ تنقیدی اصطلاحات**۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء۔ ص ۸۶

(۸) پروفیسر آل احمد سرور۔ ''اقبال فیض اور ہم''۔ مشمولہ، **فیض احمد فیض کی شاعری**۔ (مرتبہ؛ اشفاق احمد۔) لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۱۰ء۔ ص ۱۵۸

(۹) یوسف عزیز۔ **شعاع اقبال**۔ فیصل آباد: مجید بک ڈپو، ۱۹۷۷ء۔ ص ۱۲۲

(۱۰) احتشام حسین۔ ''اقبال کی رجائیت کے چند پہلو'' مشمولہ، **اقبال شناسی اور سویرا**۔ (مرتبہ؛ ڈاکٹر محمد اجمل نیازی۔) لاہور: بزمِ اقبال، سنہ ندارد۔ ص ۶۴

(۱۱) پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔ **تاریخ تصوف**۔ لاہور: علما اکیڈمی، ۱۹۷۲ء۔ ص ۴۸۷

(12) Paul Edwards, Editor in Chief; ***The Encyclopedia of Philosophy***. New York: Vol-6, The Macmillan Company, 1967. P-117.

(۱۳) ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری۔ **منتخب ادبی اصطلاحیں**۔ لاہور: پولیمر پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء۔ ص ۸۱

(۱۴) ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ **داستانِ دانش**۔ کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۰ء۔ ص ۱۳۹

(15) Carr, A. ***Positive Psychology***. The Science of Happiness and Human Strength. USA: Brunner Rouldge, 2004.

(16) Edward C. Chang (Editor) ***Optimism & Pessimism***. Implications for Theory, Research and Practice. Washington DC: American Psychological Association, 2002 P-5.

(17) IBID. P-54.

(۱۸) محمد منور۔ **قرطاسِ اقبال**۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۸ء۔ ص ۸۷

(۱۹) عبدالعلیم صدیقی۔ **تقابلی جائزے**۔ لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۹ء۔ ص ۵۵

(۲۰) عشرت رومانی۔ **مقصدی شاعری: ایک جائزہ**۔ کراچی: نقش پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء۔ ص ۲۹۴

(۲۱) ایضاً ۔ ص ۳۲۸

(۲۲) ایضاً ۔ ص ۲۷۸

(۲۳) ایضاً ۔ ص ۲۷۹

(۲۴) یوسف عزیز۔ **شعاعِ اقبال**۔ ص ۱۲۳

(۲۵) ایضاً ۔ ص۱۲۲
(۲۶) ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ **جوے کوثر**۔ کوئٹہ: بابر سٹیشنری مارٹ پبلشرز،۱۹۷۲ء۔ص۵۳
(۲۷) خواجہ حافظ شمس الدین شیرازی۔ **دیوانِ حافظ**۔ مترجم (اردو)؛ خواجہ عباد اللہ اختر (امرتسری)۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز،۲۰۰۰ء۔ص۳۷۵، ۳۷۹، ۴۷۱
(۲۸) ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ **جوے کوثر**۔ص۱۳۶،۱۵۳
(۲۹) ایضاً ۔ ص۱۱۸
(۳۰) ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن۔ **پنجابی کے صوفی شاعر**۔ لاہور: بک ہوم، ۲۰۰۷ء۔ص38
(۳۱) سلیم اختر۔ مترجم؛ **تیرے عشق نچایا** (انتخاب کلام بلّھے شاہ)۔ لاہور: بک ہوم،۲۰۱۰ء۔ص۱۳۷
(۳۲) ولی دکنی۔ **کلیاتِ ولی**۔ (مرتب؛ نورالحسن ہاشمی) لاہور: الوقار پبلی کیشنز،۲۰۰۰ء۔ص۴۱۱
(۳۳) میر محمد تقی میر۔ **کلیاتِ میر**۔ (مرتب؛ کلب علی خاں فائق)۔ لاہور: مجلسِ ترقی ادب،۲۰۱۱ء۔ص۱۵۲
(۳۴) خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی۔ **کلیاتِ آتش**۔ (مرتب؛ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی)۔ لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۲۰۰۸ء۔ص۴۴۴
(۳۵) الطاف حسین حالی۔ **کلیاتِ نظمِ حالی**۔ (مرتب؛ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی)۔ لاہور: مجلس ترقیِ ادب، ۱۹۶۸ء۔ص۳۸۴
(۳۶) محمد اقبال۔ **کلیاتِ اقبالِ اردو**۔ (مرتب؛ جاوید اقبال)۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۵ء۔ص۳۰۳
(۳۷) فضل الحسن حسرت موہانی۔ **کلیاتِ حسرت موہانی**۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز۱۹۶۴ء۔ص۱۲۷
(۳۸) جوش ملیح آبادی۔ **سیف و سبو**۔ لاہور: مکتبۂ اردو، سنہ ندارد،ص۳۹
(۳۹) جگر مراد آبادی۔ **کلیاتِ جگر**۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۳ء۔ص۲۲۹
(۴۰) فیض احمد فیض۔ **نسخہ ہاے وفا**۔ لاہور: مکتبہ کارواں، سنہ ندارد۔ص۱۳۹
(۴۱) احمد ندیم قاسمی۔ **محیط**۔ لاہور: اساطیر، ۱۹۹۱ء۔ص۱۱۳
(۴۲) ن-م راشد۔ **کلیاتِ راشد**۔ لاہور: ماورا پبلشرز، سنہ ندارد،ص۱۴۳
(۴۳) افتخار عارف۔ **کتاب دل و دنیا**۔ کراچی: دانیال، ۲۰۰۹ء۔ص۱۷۹
(۴۴) سلیم احمد۔ **کلیاتِ سلیم احمد**۔ اسلام آباد: الحمرا پبلشنگ،۲۰۰۳ء۔ص۲۷۴
(۴۵) ماہر القادری۔ **محسوساتِ ماہر**۔ حیدر آباد دکن: ادارہ اشاعتِ اردو،۱۹۴۲ء۔ص۹۲
(۴۶) وزیر آغا۔ **غزلیں**۔ سرگودھا: مکتبۂ اردو زبان،۱۹۷۴ء۔ص۶۱
(۴۷) زہرا نگاہ۔ **مجموعۂ کلام**۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۲ء۔ص۶۸
(۴۸) پروین شاکر۔ **انکار**۔ دہلی: فرید بک ڈپو، ۱۹۹۷ء۔ص۹
(۴۹) امجد اسلام امجد۔ **سپنوں سے بھری آنکھیں**۔ (کلیات گیت)۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء۔ص۲۶۹
(50) Http:www.braingquote.com/quotes/authors/h/helen-keller.html